© rasailojaraid.com

امام ابن تیمیہؒ

۶۶۱ھ تا ۷۲۸ھ

از جناب عبدالرشید عراقی

(۳)

فتنۂ عقائد

قرآن مجید میں ہر ایک مسلمان کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اُس کی کتابوں، اُس کے رسولوں اور یومِ آخرت، قضاء و قدر، قیامت، بعث بعد الموت اور جزا و سزا پر ایمان لائے۔ کیونکہ ان پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص بھی مومن اور مسلمان نہیں ہو سکتا۔ مسلمانوں کے تمام اعمال کی بنیاد انہی عقائد پر ہے۔ ان پر ایمان لائے بغیر ان کا ہر ایک عمل بیکار ہو جاتا ہے۔

قرآن مجید میں ایمان کے ساتھ ساتھ عمل پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے اور عقائد کی صرف اُنہی باتوں کو بار بار دہرایا گیا ہے جو انسان کے دل و دماغ اور اُس کے عبادات اور اعمال و اخلاق کی اصلاح اور درستگی سے تعلق رکھتی ہیں اور اُن کو اس انداز سے پیش کیا گیا ہے کہ عام لوگوں کے ذہن نشین ہو جائیں۔

امام ابن تیمیہؒ نے یہودیت و نصرانیت کی تردید کے ساتھ ساتھ شرک و بدعت کی تردید کی، شیعہ عقائد کی حقیقت واضح کی — اور صوفیہ پر تنقید کی۔ اور کتاب و سنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں ان کی تردید کی۔ اور اس تردید میں شیخ محی الدین ابن عربی کے مسلک پر برملا تنقید ہوتی تھی۔ مصر و شام میں ایک گروہ تھا جو شیخ ابن عربی کو نہایت بلند پایہ عارف، محقق اور امام مشربِ توحید اور شیخ اکبر مانتا تھا۔

چنانچہ امام صاحب نے شیخ ابن عربی کی کتابوں خصوصاً فتوحاتِ مکیہ اور فصوص الحکم کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منظر نامہ مرتب کیا۔ اور اس کے بعد عوام کے سامنے شیخ ابن عربی کا مسلک پیش کیا۔ چنانچہ امام صاحب فرماتے ہیں:

ابن عربی اور اُن کے متبعین کا مسلک یہ ہے کہ وجود ایک ہی ہے۔ وہ کہتے ہیں، مخلوق کا وجود خالق کا وجود ہے۔ وہ دو متغائر موجودوں کے قائل نہیں جن میں سے ایک دوسرے کا خالق ہو، بلکہ کہتے ہیں کہ خالق ہی مخلوق ہے۔ وجود میں رب و عبد کی کوئی تفریق نہیں۔ وہاں نہ کوئی خالق ہے اور نہ کوئی مخلوق، نہ کوئی داعی، نہ کوئی مجیب۔ وجود کا جب اعیان پر فیضان ہوا تو اس نے اس کے اندر ظہور کیا اور اعیان کی حیثیت سے اس میں تنوع اور تفریق پیدا ہوئی جیسے کہ روشنی مختلف الالوان شیشوں میں مختلف رنگوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ اس بنا پر وہ کہتے ہیں کہ گوسالہ پرستوں نے درحقیقت خدا ہی کی پرستش کی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے ہارون کو جو ٹوکا تھا تو اس بات پر کہ انہوں نے گوسالہ پرستی کی جو دراصل خدا پرستی تھی (اس لیے کہ موجود تو ایک ہی ہے) مخالفت کیوں کی۔ ان کے نزدیک موسیٰ علیہ السلام ان عارفین میں سے تھے جو ہر چیز میں حق کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک فرعون اپنے اس دعویٰ میں برسرِ حق تھا کہ "انا ربکم الاعلیٰ" بلکہ وہ عین حق تھا۔[1]

صاحب فصوص کا کہنا ہے کہ فرعون کو چونکہ (تکوینی طور پر) منصب حکومت حاصل تھا اور وہ صاحبِ وقت تھا تو اُس نے بجا طور پر انا ربکم الاعلیٰ کہا۔ اس لیے کہ جب سب کسی نہ کسی نسبت سے ارباب ہیں تو میں اُن میں سب سے اعلیٰ ہوں۔ کیونکہ مجھے ظاہر میں تم پر حکومت کرنے اور فیصلہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جادوگروں کو جب فرعون کی صداقت کا علم ہوا تو اُنہوں نے اس کی مخالفت نہیں کی بلکہ اُس کا اعتراف کیا اور کہا اقض ما انت قاض انما تقضی ھٰذہ الحیٰوۃ الدنیا (جو تمہیں فیصلہ کرنا ہو کرو۔ تم اس دُنیا کی زندگی پر حکم چلا سکتے ہو) اس لیے فرعون کا یہ کہنا بالکل بجا تھا کہ انا ربکم الاعلیٰ۔ اور فرعون عین حق پر تھا۔

[1] تاریخ دعوت و عزیمت جلد دوم صفحہ ۴۷، بحوالہ فصوص الحکم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابن عربی حضرت نوح علیہ السلام پر تنقید کرتے ہیں اور اُن کی کافر قوم کی تصویب و تعظیم جنہوں نے پتھروں کی پرستش کی۔ وہ کہتے ہیں کہ (ان بت پرستوں نے) درحقیقت اللہ ہی کی عبادت کی تھی۔ اور یہ طوفان دراصل معرفتِ الٰہی کی طغیانی اور اس کے سمندر کا جوش تھا جس میں وہ غرق ہوئے۔[1]

یہاں یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ امام صاحب کے زمانے میں "وحدت الوجود" کے عقیدہ میں غلو پیدا ہو گیا تھا اور لوگ اس سلسلہ میں عقل و اخلاق کے حدود پھلانگ گئے تھے۔ اور ایک بحرانی سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔

چنانچہ اس صورتِ حال کے پیش نظر امام ابن تیمیہؒ نے وضاحت کی۔

"اس سلسلہ میں ایک جماعت (جس کو علم کلام، فلسفہ اور تصوف سے واقفیت تھی) بہت زیادہ گمراہ ہوئی۔ ان میں ابن سبعین، صدر الدین قونوی (تلمیذ ابن عربی) اور بلیانی اور تلمسانی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان میں تلمسانی اس مسئلہ کے علم و معرفت میں سب سے بڑھا ہوا تھا۔ وہ مذہب وحدۃ الوجود کا صرف قائل ہی نہ تھا بلکہ اس پر عامل بھی تھا۔ چنانچہ شراب پیتا تھا اور محرمات کا ارتکاب کرتا تھا (کہ جب موجود ایک ہے تو حلال و حرام کی تفریق کیسی)۔

مجھ سے ایک معتبر آدمی نے بیان کیا کہ وہ تلمسانی سے فصوص الحکم کا درس لیتے تھے۔ اور اس کو اولیاء اللہ اور عارفین کا کلام سمجھتے تھے۔ جب انہوں نے فصوص کو پڑھا اور دیکھا کہ اس کے مضامین تو قرآن شریف کے صریح مخالف ہیں تو انہوں نے تلمسانی سے کہا کہ یہ کلام تو قرآن مجید کے مخالف ہے تو اس نے جواب دیا کہ قرآن تو سارا شرک سے بھرا ہوا ہے۔ اس لیے کہ وہ رب و عبد کے درمیان فرق کرتا ہے۔ توحید تو ہمارے کلام میں ہے۔ اس کا یہ بھی مقولہ ہے کہ کشف کے ذریعہ وہ ثابت ہوا ہے جو صریح عقل کے خلاف ہے۔"[2]

---

[1] تاریخ دعوت وعزیمت جلد دوم صفحہ ۷۶ بحوالہ الفرق بین الحق والباطل ابن تیمیہ صفحہ ۱۴۵

[2] ایضاً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امام صاحب نے اس سلسلہ میں کئی رسالے لکھے۔ جن میں صوفیہ کے عقائد و اعمالِ باطلہ کی بھرپور تردید کی اور اس کے ساتھ آپ نے مصر کے شیخ ابو الفتح نصر المنبجی (م ۷۱۹ھ) کو ایک طویل خط لکھا، جس کی مجلس میں مسئلہ وحدۃ الوجود زیرِ بحث آیا تھا۔ اور اس نے امام صاحب پر تنقید کی تھی۔ امام صاحب نے اس خط میں تفصیل سے صوفیہ کے عقائد کی قلعی کھولی۔

امام صاحب کی اس جدوجہد سے نام نہاد صوفیہ کے اندر ایک کھلبلی سی مچ گئی اور انہوں نے امام صاحب کے قرآن مجید اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھلے ہوئے دلائل کا کوئی جواب نہ دیا اور وہ امام صاحب کی تحریروں اور تقریروں کی غیر معمولی قوت محسوس کر رہے تھے اور بالآخر انہیں امام صاحب کی علمی جلالت کا اعتراف کرنا پڑا۔[۱]

امام ابن تیمیہؒ کا دورِ ابتلاء

ایک طرف دشمن آپ کے علمی جلالت کا اعتراف کر رہے تھے اور دوسری طرف دربردہ آپ کے خلاف سازشوں میں مصروف تھے کہ حضرت امام نے صوفیہ پر جو تنقید کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ اس کی سزا امام کو ملنی چاہیے۔ چنانچہ حاسدوں نے اس سلسلہ میں اپنی سرگرمیوں کو شروع کر دیا تھا، جیسا کہ علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے:۔

"شیخ تقی الدین (امام ابن تیمیہؒ) سے فقہاء کی ایک جماعت جلا کرتی تھی۔ اس لیے کہ حکومت کی نگاہ میں وہ وقار کے حامل تھے۔ عوام ان کے ارشادات پر سرِ تسلیم خم کر دیتے تھے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ تن تنہا انجام دینا اُن کا شعار تھا۔ اسی کے باعث وہ لوگوں میں مقبول تھے۔ ان کے اتباع کی تعداد حد و شمار سے خارج تھی۔ ان کی حمیتِ مذہبی اور علم و عمل نے انہیں محسود بنا دیا تھا۔"[۲]

امام صاحب کی سلطانِ مصر سے شکایت

چنانچہ مخالفین نے جس میں ابن عربی کے معتقدین زیادہ تھے سلطان سے شکایت کی کہ امام ابن تیمیہؒ صوفیہ کو برا بھلا کہہ رہے ہیں اور شیخ ابن عربی پر برملا تنقید کرتے ہیں۔ اور اُن کی قدر و منزلت کو گھٹا رہے ہیں۔ اور اُن کے افکار و آراء کا تارپود بکھیر رہے ہیں

---

[۱] امام ابن تیمیہ محمد یوسف کوکن صفحہ ۳۴۲

[۲] حیات ابن تیمیہ ابو زہرہ بحوالہ البدایۃ والنہایہ جلد ۱۴ صفحہ ۳۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس لیے ہم آپ سے استدعا کرتے ہیں کہ امام صاحب کو ان پر نکتہ چینی کرنے اور تنقید کرنے سے روک دیا جائے۔

ابن تیمیہ رح مصر میں

۵ رمضان ۷۰۵ھ کو امام ابن تیمیہ کی طلبی کا فرمان دمشق پہنچا۔ چنانچہ امام صاحب اس شاہی فرمان کے بعد دمشق سے روانہ ہوئے اور ۲۲ رمضان کو آپ مصر پہنچے۔ حضرت امام کے پہنچنے سے قبل مخالفین کی شکایت پر سلطان قاضی القضاۃ بدرالدین بن جماعہ الشافعی کو حکم دے چکا تھا کہ وہ اس معاملہ کی تحقیق کر کے فیصلہ کریں۔

۱۰ شوال کو منگل کے دن قاہرہ میں ایک مجلس منعقد ہوئی، جس میں بہت سے علمائے کرام شامل تھے۔ شافعی عدالت کے سامنے امام ابن تیمیہ پر الزامات لگائے گئے اور عدالت سے انصاف کا مطالبہ کیا گیا۔ امام صاحب نے ان سب الزامات کی تردید کی اور ہر مسئلہ کا جواب قرآن و حدیث کی روشنی میں دیا۔ دلائل اتنے واضح تھے کہ مدعی سے ان کا جواب نہ بن سکا۔ جرح کے سلسلہ میں مسئلہ استغاثہ پر بھی بحث ہوئی۔ اُن پر یہ الزام لگایا گیا تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کو ناجائز سمجھتے ہیں۔ امام صاحب نے اس مسئلہ پر مدلل تقریر کی اور اپنا نقطہ نظر واضح کیا[1] اس پر لوگوں میں اختلاف رائے پیدا ہو گیا۔ بعض کہتے تھے کہ اس میں کیا حرج ہے۔ لیکن قاضی القضاۃ بدرالدین بن جماعہ نے کہا۔ یہ خلاف ادب ہے اور اس کی سزا انہیں ضرور ملنی چاہیے۔ مگر دوسرے علمائے کرام اس حق میں نہیں تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امام صاحب کے متعلق کوئی فیصلہ نہ ہو سکا[2]

امام صاحب کی دوبارہ شکایت

جب اس مجلس میں مخالفین کا زور نہ چلا تو انہیں بہت تشویش ہوئی کہ ہمارا وار خالی گیا ہے۔ اس لیے انہوں نے سلطان سے دوبارہ شکایت کی۔ حکومت نے مجبور ہو کر حضرت امام کے سامنے تین شرطیں پیش کیں۔

۱۔ وہ قاہرہ سے دمشق چلے جائیں اور وہاں چند شروط کے تحت زندگی بسر کریں۔

۲۔ قاہرہ سے اسکندریہ چلے جائیں اور وہاں چند شروط کے تحت زندگی گذاریں۔

---

[1] امام ابن تیمیہ محمد یوسف کوکن صفحہ ۳۴۵

[2] مقالاتِ شبلی جلد پنجم صفحہ ۲۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۔ اگر یہ دونوں شرطیں منظور نہیں تو جیل جائیں۔[1]

چنانچہ شیخ الاسلام نے تیسری شرط کو منظور کیا اور امام صاحب داخل زنداں ہو گئے۔ اور حضرت امام کے جیل جانے سے حنابلہ پر بھی آفت آگئی۔ جیسا کہ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:۔

> امام ابن تیمیہ رح کے جیل جانے سے دیار مصر میں حنابلہ کو بہت زیادہ اہانت اور ذلت و رسوائی سے دوچار ہونا پڑا۔[2]

غرض امام صاحب جیل چلے گئے۔ مگر اس کے ساتھ امام صاحب کا احترام قائم رہا۔ خدام کو ان کے ساتھ رہنے کی اجازت دی گئی۔ ہر شخص ان کے پاس آنے جانے کا مجاز تھا۔ چنانچہ مشکل مشکل فتوے لوگ لے کر آتے تھے اور امام صاحب ان کے جواب لکھتے تھے۔ اکثر لوگ برکت کی غرض سے ملنے جاتے تھے۔ خاص ان کے یارانِ صحبت کو بھی آزادی حاصل تھی۔ بے تکلف ان سے مل سکتے تھے۔[3]

مشروط رہائی کی پیشکش

امام ابن تیمیہ رح ایک سال تک حبس زنداں کے مصائب برداشت کرتے رہے۔ آخر جفا کاروں کے ضمیر میں خلش پیدا ہوئی۔ اور امام صاحب کو رہا کرنے کا مسئلہ زیر غور آیا۔ آخر یہ فیصلہ ہوا کہ امام صاحب کو رہا کرایا جائے۔ لیکن چند شرائط کے ساتھ۔ مثلاً یہ کہ وہ اپنے بعض عقائد سے رجوع کر لیں۔ چنانچہ امام صاحب کو اس کی اطلاع دی گئی۔ آپ نے مشروط رہائی قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ یہاں تک کہ آپ کے پاس آدمی ۶ دفعہ آئے۔ مگر آپ نے انکار کیا۔ جیسا کہ امام ابن کثیر لکھتے ہیں:

> آخر یہ لوگ حصولِ مقصد میں ناکام ہو کر واپس چلے گئے۔[4]

اور حضرت امام صاحب نے حضرت یوسف علیہ السلام کے الفاظ میں ان برخود غلط ناصحوں سے صاف صاف کہہ دیا۔

---

[1] امام ابن تیمیہ محمد یوسف کوکن صفحہ ۳۴۶۔

[2] حیات ابن تیمیہ رح ابوزہرہ صفحہ ۱۱۰۔ بحوالہ البدایہ والنہایہ جلد ۱۴ صفحہ ۳۸۔

[3] مقالات شبلی جلد پنجم صفحہ ۷۲۔

[4] حیات ابن تیمیہ ابوزہرہ صفحہ ۱۱۱۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اَلسِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْ اِلَیْہِ (۱۲ ـ ۳۳)

(یہ لوگ جس طرف مجھے بلا رہے ہیں اس کے مقابلے میں جیل کی زندگی میرے لیے کہیں زیادہ مرغوب اور پسندیدہ ہے۔)

امام صاحب کو جیل میں رہتے ہوئے ۱۸ ماہ گذر گئے۔ لیکن آپ نے مشروط رہائی کو قبول نہ کیا۔ آخر ایک عرب امیر ابن عیسیٰ کی کوشش سے آپ کو غیر مشروط رہائی ملی[1]

امام صاحب پھر جیل میں

رہائی کے بعد امام صاحب کا مصر میں طویل قیام کا ارادہ نہ تھا ــ مگر وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے۔ امام صاحب کا قیام مصر میں اپنے اندازے سے زیادہ ہوگیا اس قیام کے دوران آپ نے درس و تعلیم اور وعظ و تدریس کا مشغلہ بھی جاری رکھا۔ اور آپ کے قیامِ مصر کے دوران ہی یہ مشاہدات آپ کے سامنے آئے کہ مصر میں سب سے زیادہ قوی اور توانا گروہ صوفیہ کا ہے۔ یہ لوگ وحدۃ الوجود کے قائل تھے۔ خالق اور مخلوق میں کسی تفریق کے قائل نہ تھے۔ چنانچہ امام ابن تیمیہؒ نے ان صوفیوں کے عقائد باطلہ کی پُرزور تردید کی۔ اور کتاب و سنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں واضح دلائل سے ثابت کیا کہ یہ خیالات فاسدہ رکھنے والا دائرۂ اسلام میں نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ حاسدین اور منافقین نے سازش کر کے امام صاحب کو دوبارہ جیل بھجوا دیا۔ اگلے سال شوال میں سلطان نے امام صاحب کی رہائی کا حکم صادر کر دیا۔ اور آپ کو اسکندریہ طلب کیا[2]

(باقی)

---

[1] حیات ابن تیمیہؒ ابو زہرہ صفحہ ۱۱۵

[2] ایضاً صفحہ ۱۲۱

© rasailojaraid.com